سانحۂ کربلا
فتح و شکست کا حقیقی معیار
صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی
مکتبہ جمال کرم لاہور

سانحۂ کربلا

فتح و شکست کا حقیقی معیار

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی

مکتبہ جمالِ کرم

9۔ مرکز الاویس (سستا ہوٹل) دربار مارکیٹ۔ لاہور فون: 7324948

قیمت ..... 12 روپے

سانحہ کربلا............فتح وشکست کا حقیقی معیار

فتح وشکست، ترقی وزوال، نفع ونقصان اور کامرانی وناکامی کے ازل سے آج تک دو پیمانے رائج رہے ہیں۔ ایک مادی پیمانہ اور دوسرا اخلاقی پیمانہ، اسی طرح دنیا میں دو ہی قومیں مدمقابل رہی ہیں، ایک قوت وہ جو مادی غلبے کو سب کچھ سمجھتی رہی اور دوسری قوت وہ جو اخلاقی برتری کو معیار ومدار قرار دیتی رہی۔ ایک کے ہاں مادیت حرف آخر ہے اور دوسرے کے ہاں اخلاقیات سب سے اہم اور بڑی چیز ہے، مشاہدہ یہ رہا ہے کہ بالعموم مادی طاقتوں کو ہر دور میں غلبہ نصیب رہا مگر تاریخ کا فیصلہ اخلاقی قوتوں کے حق میں رہا مشاہدہ کا مطلب حق ہرگز نہیں فقط امر واقعہ ہے کہ ایسا ہوا لیکن اخلاقیات کی برتری امر واقعہ بھی ہے اور امر حق بھی! امر واقعہ اور امر حق میں فرق وامتیاز ہی کے لئے قدرت نے وجدان، حواس اور عقل کی رہنمائی کے ساتھ ساتھ وحی کی ہدایت کا اہتمام کیا ہے، اگر ہدایت وحی کا مفہوم کچھ بھی نہ ہو اور لوگ اسے نظر انداز کر دیں تو جانوروں کے باڑے اور انسانوں کے معاشرے میں کوئی حد فاصل باقی نہ رہے۔

بیسیوں معاملات میں وجدان رہنمائی کرتا ہے لیکن ایک حد تک، اس کے بعد وہ غیر ضروری ہو جاتا ہے، کئی ایک امور میں حواس کی ہدایت کارآمد ہوتی ہے مگر حواس بھی کچھ آگے جا کر جواب دے جاتے ہیں کیوں کہ دنیا کے ہر معاملے کا تعلق صرف سونگھنے، چکھنے، دیکھنے سننے اور چھونے سے نہیں اس سے ماورائی حقائق ہوتے ہیں جن کی تفہیم کے لئے عقل اور تجربے کی ضرورت پڑتی ہے، عقل محض مادی واقعات واشیاء میں رہنمائی کا کام دیتی ہے، نتائج اخذ کرتی ہے، کلیے وضع کرتی ہے، تجربے کرتی ہے اور مشاہدات کا ایک سلسلہ قائم کرتی ہے اگرچہ دنیا کا بہت کچھ انحصار مادیت پر ہے اور

مادیت کے اصول وفروغ اور تجربات مشاہدات کا دارومدار عقل پر ہے اس سب کچھ کے باوجود انسانی کائنات میں ہزارہا مقامات ایسے ہیں جہاں عقل اپنی رہنمائی سے دستبردار ہوتی نظر آتی ہے اور اسے ہونا چاہیے ورنہ دنیا میں خیر وشر، خوب وزشت، حق و باطل، روح وجسم اور حرام وحلال کے سارے ضابطے ہوا میں تحلیل ہو کر رہ جائیں گے، دنیا بھر کے تمام رشتے اور سلسلے ایک ایک کر کے بکھر جائیں گے سورج اور چاند، گرمی اور سردی خوشبو اور بدبو، شیریں اور تلخ کی طرح یہ بھی کائنات انسانی کے حقائق ہیں کہ کوئی باپ ہے اور کوئی بیٹی ہے کوئی ماں ہے اور کوئی بیٹا، کوئی بہن ہے اور کوئی بھائی، کوئی شریر ہے اور کوئی شریف، کوئی چور ہے اور کوئی بھلے مانس، کوئی غبی ہے اور کوئی ذہین، اگر مادیت اور عقل ہی کی رہنمائی حرف آخر ہے تو وہ یہ ثابت کرنے سے عاجز ہے کہ کسی بھی عورت اور ماں میں کسی بھی مرد اور باپ میں کیا فرق ہے؟ ایک شخص گھی خرید کر استعمال کرتا ہے دوسرا چوری کا استعمال کرتا ہے، صحت پر دونوں کا برابر اثر پڑے گا اگر معیار مادیث اور عقل ہو تو ان دونوں افعال میں قطعاً فرق نہیں، کیوں کہ نتیجہ دونوں کا یکساں ہے، مگر یہاں وحی کی رہنمائی سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جسمانی صحت پر دونوں کا اچھا پڑے گا لیکن روحانی صحت پر، معاشرتی حالت پر، اخلاقی سطح پر دونوں کے اثرات بالکل مختلف ہوں گے۔

بناء بریں فتح وشکست، زوال وعروج میں بھی فقط مادی پیمانے فیصلہ کن نہیں بلکہ اخلاقی معیار پیش نظر رکھنے سے صحیح نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ حقیقی فتح کیا ہے اور شکست کیا ہے؟ زوال کیا ہے اور عروج کیا ہے؟

فرعون وکلیم کی کشمکش کا انجام محض مادیت اور عقل سے معلوم نہیں ہو سکتا، نمرود و ابراہیم کی آویزش میں عقل فیصلہ کن نہیں یہاں بھی اخلاقی پیمانے دنیا کو صحیح نتائج فراہم

کرتے ہیں، اگر تلوار کی جنگ جتنا بہت اہم ہے تو مقصد کی جنگ ہارنا بھی اسی درجے لائق توجہ ہے جس پر برابر غور کرنا چاہیے، دولت اور پیسہ کی فتح اگر کوئی چیز ہے تو ضمیر کی شکست بھی کوئی معنی رکھتی ہے، اسے صرف وہی نظر انداز کرے گا جو اپنے جینے اور مرنے اور حیوان کے جینے اور مرنے میں کوئی فرق محسوس نہ کرے۔

اگر اخلاق پیمانے دنیا سے محو کر دیئے جائیں تو نہ فکری ارتقاء باقی رہے اور نہ شوق تجسس، نہ حسن کائنات باقی رہے اور نہ ذوق خودی! زمین کی پیٹھ اور زمین کا پیٹ ایک برابر ہو جائے، غار کا دور اور خلاء کا عہد یکساں قرار پائے، پتھر کا زمانہ اور ایٹم کا زمانہ اپنا فرق کھو بیٹھے، غیرت اور عزت، خودی اور حمیت آزادی اور استقلال کے الفاظ بے معنی ہو کر رہ جائیں، غلامی، بزدلی، ذلت اور نکبت کا کوئی تصور باقی نہ رہے اس لئے ضروری ہے کہ تاریخ انسانی کے عہد بہ عہد واقعات اور حوادث کا جائزہ اخلاق پیمانے سے لیا جائے تب جا کر معلوم ہوگا کہ عمر بن عبدالعزیز، اور چنگیز و ہلاکو میں کیا اور کیسا فرق ہے؟

حضرت نوح عمر بھر قوم کو توحید، تقویٰ اور آخرت کی دعوت دیتے رہے لیکن مٹھی بھر افراد کو چھوڑ کر پوری قوم ان کی مخالف رہی اور یہی حال کم و بیش تمام انبیاء کرام کا رہا معدودے چند پیغمبر ایسے گزرے ہیں جو اپنے الٰہی مشن کو الف سے یا تک پایہ تکمیل تک پہنچا سکے، مادی معیار کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ کیا جائے تو انبیاء کرام، مجددین اور علماء ناکام ہو گئے کیوں کہ وہ اپنے مخاطبین کو ہمنوا نہ بنا سکے، مگر فی الحقیقت وہ کامیاب رہے وہ اس طرح کہ جس بات کو حق جانا اس پر ڈٹ گئے، اور درمیان کے ترغیب اور ترہیب کے تمام مرحلوں میں وہ اپنے مشن سے نہ پیچھے ہٹے اور نہ دستبردار ہوئے اور نہ ہی کسی مصلحت اور منفعت اور خوف اور دباؤ کے باعث جزوی ترمیم اور تخفیف پر آمادہ

ہوئے نظریات اور اخلاقیات کی دنیا میں فتح و کامرانی اسی کا نام ہے، مخالفین تب کامیاب کہلاتے جب وہ انبیاء صلحاء کو خرید کر یا دبا کر اصولوں سے منحرف کر دیتے اور انبیاء و صلحا تب ناکام کہلاتے جب وہ کسی مصلحت کا شکار ہو کر یا تشدد سے مجبور ہو کر اپنا راستہ چھوڑ دیتے ارباب دنیا کی یہ فتح کیا مفہوم اور وزن رکھتی ہے کہ اشراف اور اتقیاء کو گھر سے نکال دیا۔ جلاوطن کر دیا یا شہید کر دیا، جب کسی مرحلے پر تشدد کی زبان کا آغاز ہوتا ہے تو گویا اپنی شکست کا واضح اعلان ہوتا ہے۔

بلا شک و ریب وہی کامیاب اور سرخرو ہوئے جو نیل کی موجوں سے لڑے، آگ کے آلاؤ میں کود پڑے، سولی دیکھ کر نہ ڈرے، طائف کی گھاٹی میں جا کھڑے اور کربلا سے واپس نہیں مڑے تھے۔

سلام ما برسانید ہر کجا ہستند

اب ہم خاص طور پر سانحہ کربلا کے پس منظر میں فتح و شکست کا جائزہ لیتے ہیں اور تاریخ کی شہادت ریکارڈ کرتے ہیں، تمامتر تفصیلات سے قطع نظر کرتے ہوئے تین بنیادی نکات پر بحث کرتے ہیں جن سے فتح و شکست کا فیصلہ آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔

☆ یزید کا خیال تھا کہ امام حسینؓ کسی وقتی اشتعال اور ہنگامی جذبے کے تحت میرے مقابلے پر اتر آئے ہیں ان سے سختی برتی جائے تو وہ خود اپنے مطالبے سے دستبردار ہو جائیں گے یا ان کے بعد ان کے خاندان والے پچھتائیں گے کہ ہم سے غلطی ہوگئی اور مفت میں اپنا گھر اجاڑ بیٹھے، کیا شہادت حسینؓ کے بعد ایسا ہوا؟

☆ دنیا کا دستور یہ ہے کہ ہر کوئی اس کا ساتھ دیتا ہے جو طاقتور اور غالب ہو جو بے سر و سامان ہو اول تو کوئی اس کا ساتھ نہیں دیتا اگر دے بیٹھے تو طاقتور کو دیکھ کر ساتھ چھوڑ دیتا ہے اور غالب اور فاتح کے ساتھ آملتا ہے کیا کربلا میں ایسا ہوا؟

☆ یزید سانحہ کربلا کے بعد توقع کرتا تھا کہ اب آئندہ کے لئے میری حکومت جائز اور میرا طرز حکومت جاری اور قائم رہے گا، کیا حادثہ کربلا کے بعد اس کا یہ خیال بار آور ہو سکا۔؟

تاریخ کا ایک ایک حوالہ سانحہ کربلا کے واقعات اور نتائج کو ان تینوں کسوٹیوں پر پرکھنے کے بعد امام حسینؓ کی فتح کی شہادت دیتا ہے کہ

؎ جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ

اولاً یزید کا یہ خیال سرے سے پوچ اور لغو تھا کہ امام حسینؓ کسی وقتی جوش کے نتیجے میں صف آراء ہوئے ہیں، امام حسین پورے شعور اور وثوق کے ساتھ یزید کی حکومت کو ناجائز، غیر اسلامی اور خلافت راشدہ کے برعکس بلکہ خلافت کی عین ضد سمجھتے تھے، ہنگامی اشتعال جس قدر تیزی سے پیدا ہوتا ہے اسی تیزی سے ختم بھی ہوتا ہے۔ مگر حضرت امامؓ تو ۹ ذی الحجہ سے ۱۰ محرم تک برابر ایک ہی بات کرتے رہے کہ یزید کی حکومت میں حدود اللہ پامال کی جا رہی ہیں اور شریعت کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیا جا رہا ہے، آپ پر موت کا وار اچانک نہیں ہوا کہ سنبھلنے، پلٹنے یا یزید سے مفاہمت کا موقع نہ مل سکا، بلکہ آپ کا ایک ایک قدم شعوری طور پر مقتل کی طرف بڑھ رہا تھا اور شب عاشورہ میں آپ نے اپنے رفقاء سے کہہ دیا کہ جو جانا چاہے جا سکتا ہے میری طرف سے کوئی ملامت نہیں ہوگی گویا آنے والے دن کی ہولناکی اور تشدد کی دھندلی بلکہ یقینی تصویر آپ کی آنکھوں کے سامنے تھی حتیٰ کہ یوم عاشور کو آپ نے یزیدیوں سے برملا فرما دیا کہ ''موت تک تو میں خود تمہارے ساتھ جانے کو تیار ہوں اس سے آگے تم میرا کیا بگاڑ سکو گے؟'' آپ کے رفقاء اور عزیزان گرامی کسی ایک جھپٹ میں نہیں مارے گئے بلکہ ایک ایک سوئے مقتل روانہ ہوا اور امام حسینؓ دن بھر

رفیقوں اور عزیزوں کے لاشے وصولتے اور دفناتے رہے، بڑے سے بڑا جاگیردار اور سورما بھی اپنے جوان اور گود کھیلتے بیٹے کی لاش دیکھ کر غش کھا جاتا ہے، مگر یہاں بجز انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے کے اور کسی جذباتی ردعمل کا مظاہرہ دکھائی نہیں دیتا، ہنگامی اور ناپختہ جوش کا حباب چھٹنے کے لئے ایک ہی ساتھی کی شہادت کافی تھی، لیکن خیام اہل بیت میں تو شہادتوں کا جشن برپا تھا جس حوصلے اور ہمت سے جس صبر اور استقامت سے امام حسینؓ نے سفر شہادت کے مرحلے طے کئے اور اپنے اصول اور عقیدے تو کیا اپنے گھوڑے کے سم کی گرد اور خیمے کی طناب تک کا سودا نہیں کیا اس کا عشر عشیر بھی یزید اور اس کے حواریوں کو درپیش ہوتا تو حسینؓ نے تو اپنا خیمہ نہیں چھوڑا وہ اپنی کرسی اقتدار چھوڑ کر ضرور بھاگ جاتے، بھوک، پیاس، رفقاء اور اعزاء کی بے کسی کوئی معمولی عوامل نہ تھے کہ جو وقتی جوش کو ٹھنڈا نہ کر دیتے مگر امام حسینؓ ایک دائمی حقیقت صفحہ ہستی پر رقم کرنا چاہتے تھے۔ ہر شخص ضروری نہیں کہ قابل خرید و فروخت ہو اور ہر اصول لازمی نہیں کہ مفاہمت آشنا ہو، جابر اور متکبر لوگ کسی اصول کے علمبردار کو تو قوت کے گھاٹ اتار سکتے ہیں لیکن اصول کو فنا کے گھاٹ نہیں اتار سکتے اصول کسی کے اقتدار سے زیادہ قیمتی، اور زیادہ طاقتور ہوتا ہے، کسی شخصیت کا اس استقلال اور پا مردی سے اپنا آپ قربان کر دینا ظاہر ہے ضمیر اور شعور کا فیصلہ ہو سکتا ہے کسی وقتی ابال کا نتیجہ ہرگز نہیں یزید کے خیال کا دوسرا پہلو کہ اگر امام حسینؓ اپنی ضد پر اڑے رہے تو انہیں بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑے گا جس کا اثر ظاہر ہے پورے خاندان پر پڑے گا یوں باقی ماندہ لوگ پچھتائیں گے اور مفاہمت پر آمادہ ہو کر میری حکومت کو جائز مان لیں گے اور تاریخ میرے استحقاق حکومت کو درست قرار دے گی، یہ پہلو بھی اتنا ہی ناقص، ناپختہ اور بر خود غلط ثابت ہوا۔

نقصان سے وہ ڈرتا ہے جو کسی نفع کے لالچ میں کام کرے جو اصول کو دنیا بھر
کی دولت اور منفعت سے زیادہ وقعت دے اس کا کوئی بھی اقدام نفع و نقصان کے
میزانیئے سے منسلک نہیں ہوتا اس اصول کا برقرار رہنا ہی سب سے بڑا نفع ہے، اور
جان و مال کی بہتر قیمت اور یہی کچھ حضرت امام حسینؓ کے پیش نظر تھا اس سے ہٹ کر
ذرا بھی کچھ ہوتا تو مقام شبیری کبھی حقیقت ابدی کا درجہ حاصل نہ کرپاتا۔

رہا سوال پسماندگان کے پچھتانے کا، تو خانوادۂ نبوت کے لوگ آغوش حسینؓ
کے پروردہ تھے انہیں اپنے نانا کی میراث اور سبق یاد تھا کہ آپ نے سورج اور چاند
ملنے پر بھی اپنے الٰہی مشن سے دستبردار ہونے کے متعلق کبھی سوچا بھی نہیں تھا، شہادت
سرفرازی کا نام ہے رسوائی کا نام ہیں، کہ پچھتانے کی نوبت آجائے، تاریخ کا ایک
واقعہ ہمارے استدلال کو بنیاد فراہم کرتا ہے۔

یزید کے دربار میں جب حضرت زین العابدین کو پیش کیا گیا اور یزید نے
بڑے نرم مگر منافقانہ انداز میں آپ سے گفتگو کرتے ہوئے سانحہ کربلا پر مصنوعی رنج
کے اظہار کے ساتھ ساتھ جب یہ کہا کہ اگر آپ کے والد اپنی ضد چھوڑ دیتے اور
ہماری بات مان لیتے تو آپ کو اور آپ کے خاندان کو نہ دیکھنے پڑتے اور یوں
مستورات دربدر نہ ہوتیں، اس جملے پر حضرت امام زین العابدین بھڑک اٹھے اور فرمایا
(اَمَا عَلِمتَ ان القتل لنا عادۃ و الشہادۃ لنا سعادۃ) یعنی تم لوگوں کو
اب بھی علم نہیں ہوسکا کہ قتل ہونا ہماری عادت اور شہادت ہمارے لئے باعث سعادت
ہے آپ کے اس پرعزم اور غضب آلود جملے نے یزید اور اس کے حواریوں کی ساری
چالبازی اور نمائشی شان و شوکت کے غبار سے ہوا نکال کر رکھ دی، جس چیز کو یزید بزعم
خویش موجب ندامت سمجھ رہا تھا اسے خاندان رسول باعث سعادت قرار دے رہا تھا،

سانحہ کربلا کے وقوع پذیر ہونے کے بعد آج تک امام زین العابدین تو کجا آل رسولؐ
سے تعلق رکھنے والے کسی ادنیٰ سے فرد نے بھی کسی پچھتاوے کا اظہار نہیں کیا بلکہ تاریخ
کے مختلف موڑ متعدد اشارے دے کر بتاتے رہے کہ یزید جیسے حکمرانوں کے بارے
میں نرم گوشہ رکھنے والے محقق اور مورخ سانحہ کربلا کی توجیہ اس انداز میں کرتے ہیں
کہ کسی نہ کسی طرح یزید گوشہ رکھنے والے محقق اور مورخ سانحہ کربلا کی توجیہ اس انداز
میں کرتے ہیں کہ کسی نہ کسی یزید کا اس پورے قضیئے سے الگ ثابت کیا جائے اور بتایا
جائے کہ اس میں بعض منافق اور نادان لوگوں کا دوہرا کردار ایسا تھا کہ نوبت کشت و
خون تک پہنچ گئی ورنہ یزید یہ کچھ نہیں چاہتا تھا وغیرہ اس کا مطلب واضح ہے کہ
یزیدیوں کو اپنے طرز عمل پر پچھتانا پڑا اور وہ کسی حیلے بہانے اپنی برات کا اظہار کرتے
رہے کہ یہ واقعہ یوں نہیں تھا، اس کا مقصد یہ نہ تھا، حقائق یہ نہیں یہ ہیں کیا یہ ساری
باتیں اس امر کی غماز نہیں کہ اخلاق معیار اور پیمانہ امام حسینؓ کو فاتح قرار دیتا ہے اس
کے لئے پچھتاوا وضاحت، معذرت، توجیہ، تعبیر، گریز، برات یہ سارے اشارے
یزید سے منسوب ہیں امام حسینؓ اور ان کے مداحین اور پیروکاروں سے کسی دروغ گو
مورخ نے بھی منسوب نہیں کئے، یزید کے یہ سارے الفاظ شکست کا پتہ دیتے ہیں، فتح
مندی کی علامت ہرگز نہیں ہیں۔ اسی اخلاقی فتح نے رہتی دنیا تک یزید کو آمریت اور
حسینؓ کو استقامت کی علامت بنادیا ہے۔

اسی کے ساتھ ساتھ یزید نے مدینہ منورہ پر چڑھائی کا ارادہ ظاہر کیا تو ابن زیاد
نے صاف انکار کردیا اور کہا کہ تم آخر کیا چاہتے ہو پہلے نواسہ رسول کو شہید کیا اب
مدینۃ الرسول کو پامال کرنا چاہتے ہو لعنت کا یہ طوق اب میں اپنے گلے میں ڈالنے کو
ہرگز تیار نہیں۔

سانحہ کربلا کے بعد یزید کے یہ الفاظ کہ ''لعنت ہو ابن مرجانہ (ابن زیاد) پر جس نے مجھے رسوا کر دیا ہے'' تاریخ کی مستند کتابیں اپنے دامن میں یہ قوی شواہد رکھتی ہیں کہ سانحہ کربلا کے بعد کئی عورتوں نے اپنے شوہروں سے طلاق لے لی کہ وہ قتل حسینؓ میں ملوث مردوں کے چہرے دیکھنا گناہ سمجھتی تھیں۔ بعض کی اولاد نے اپنے باپ کی گھر آمد پر دروازوں کی کنڈیاں چڑھا لیں کہ وہ ان منحوس شکلوں کو کیسے دیکھیں جو قتل حسینؓ کے گناہ میں شریک رہیں۔

بہت بعد میں جا کر بنو امیہ ہی کے بعد عمر بن عبدالعزیزؒ نے حکم جاری کیا کہ جو شخص یزید کو امیر المومنین کہے گا اسے بیس کوڑے مارے جائیں گے۔ کیا آج تک کسی ایک مسلمان نے بھی امام حسینؓ کے دامن سے اپنا تعلق توڑنے کا عندیہ دیا ہے؟ ہرگز نہیں وجہ صاف ہے کہ ہارنے والوں سے ہر کوئی اظہار برات کرتا ہے جیتنے والوں سے تو وہ بھی اپنا قرب ظاہر کرتے ہیں جو حقیقت میں قریب نہیں ہوتے ہر شخص کا ناک چڑھا کر یزید سے اظہار برات کرنا اور ہر مسلمان کا، لپک لپک کر خود کو دامن حسینؓ سے وابستہ کرنا گویا اس فیصلے پر مہر تصدیق ثبت کرنا ہے کہ اخلاقی دنیا میں فتح کا تاج امام حسینؓ کے سر پر سجا ہے اور یزید کے چہرے پر آج تک شکست کی دھول اڑ رہی ہے۔

ثانیاً: دوسرا معیار جو عمومی سطح پر مسلمہ ہے کہ انسانی زندگی میں آزمائش، بحران اور تار چڑھاؤ بہر حال آتے رہتے ہیں، اور کوئی شخص کسی تحریک، جماعت، خاندان یا فوج کا سربراہ ہے یا وہ کسی نظریے اور اصول کا علمبردار ہے تو اس کی زندگی میں آزمائش اور بحران کا آنا عین متوقع بلکہ یقینی ہوتا ہے کیوں کہ مخالف قوتیں بھی اپنی جگہ برسر عمل اور متحرک ہوتی ہیں۔ اور اس کے لئے آزمائش کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، ایسے میں ہوتا یہ ہے کہ اگر وہ با اصول اور نظریاتی انسان خود لغزش کھا جائے تو کچھ لوگ

ضمیر اور ایمان کے باعث اسے چھوڑ جاتے ہیں کہ یہ اس نصب اور رہنمائی کے قابل شخص نہیں اگر وہ حالات کے حصار میں گھر جائے اور مقابلے کے لئے برابر کی قوت اور استطاعت نہ رکھتا ہو تو کچے اور وقتی مفادات کے طلب گار افراد اس سے الگ ہو جاتے ہیں اس لئے کہ ایسے لوگ کسی کے ساتھ فائدے کی خاطر چلتے ہیں، بحران اور آزمائش کے لئے نہیں ایسی ذہنیت کے حامل افراد ہمیشہ چڑھتے سورج کی پوجا کرتے اور محفوظ کنارے کے ساتھ لگنے کے عادی ہوتے ہیں۔

سانحہ کربلا کے پس منظر میں دیکھیں تو واضح ہو جاتا ہے کہ کون کس پانی میں تھا؟ دنیا کے عمومی رواج کے مطابق یزید اس لائق تھا کہ ہر کوئی اس کا ساتھ دیتا اور حسینؓ اس حال میں تھے کہ ساتھی بھی ان کو چھوڑ جاتے ۶۱ ھ کا منظر یہ تھا کہ یزید کا اقتدار نصب النہار پر تھا اور حسینؓ کی شام زندگی ڈھلنے والی تھیں یزید محفوظ کنارہ تھا اور حسینؓ آزمائش کے بیچ منجدھار میں، یزید کے پاس دینے کو بہت کچھ تھا مگر حسینؓ خود تو کیا دیتے الٹا رفقاء دینے کی پوزیشن میں تھے اپنی جان کا نذرانہ، یزید کی بساط اقتدار پر انواع واقسام کی چیزیں بچھی تھیں عہدہ دولت، ترقی، ناموری اور حسینؓ کے دستر خوان پر سوکھے ٹکڑے تو تھے مگر پانی کا ایک گھونٹ بھی نہیں، ایسے میں لوگوں کا رجحان کس طرح ہونا چاہیے؟ اس کو سمجھنے کے لئے عقل کی غیر معمولی مقدار مطلوب نہیں، حالات بھی واضح اور نتائج بھی واضح، لیکن یہ ساری باتیں مادی دنیا اور اس کے واضع کردہ پیمانوں کی ہیں۔ اخلاقی دنیا کے ضابطے مختلف واقع ہوئے ہیں، ایک واقعہ بطور دلیل ہمارے مدعا کو واضح کر دے گا۔

شب عاشورہ رات گئے امام حسینؓ نے اپنے رفقاء کو طلب کیا، پیش آنے والے واقعات کو بلا کم و کاست بیان کیا، مستقبل کی تصویر کے خدوخال نمایاں کئے اور

ساتھ ہی فرمایا کہ چراغ گل کر دیا جائے، گھپ اندھیرے میں آپ نے فرمایا کہ تم
لوگوں کی رفاقت اور ہمدردی کا میں بے حد شکر گزار ہوں یزیدیوں کو تم سے نہیں مجھ
سے پرخاش ہے، میرا وجود بذات خود اس کی حکومت کے ناجائز ہونے کی دلیل ہے
وہ مجھے راستے سے ہٹا کر ہی مطمئن ہوگا اس سے کم کسی حال میں اور شرط پر نہیں، میرا
مشورہ اور میری طرف سے تم سب کو اجازت ہے کہ جو جہاں جا سکتا ہے چلا جائے،
میں بچ گیا تو بھی ملامت نہیں کروں گا۔ شہید ہو گیا تو بھی آخرت میں کوئی گلہ نہیں
کروں گا، آپ کی اس تقریر کے بعد اتنی دیر تک چراغ گل رہے کہ جانے والے آسانی
سے جا سکیں مگر روشنی ہونے پر معلوم ہوا کہ ایک بھی ساتھی اور فدا کار اٹھ کر نہیں گیا اور
یہ سبھی لوگ تا دم آخریں آپ کے ساتھ رہے۔

دوسری طرف دیکھئے کہ اگر یزید اس طرح کا اختیار اپنے لوگوں کو دیتا اور لوگوں
کو یقین ہوتا کہ وہ ہم سے فریب نہیں کر رہا تو کیا خیال ہے کتنے لوگ یزیدی لشکر میں
باقی رہ جاتے؟ اول تو یزید اور اس کے حواری اس پیش کش کی جرات نہ کرتے کہ آج
تک کسی فرعون، نمرود، شداد، چنگیز، ہلاکو، ہٹلر اور مسولینی نے ایسی جرات نہیں کی اور وہ
یہ پیشکش کر بیٹھتے تو دنیا تماشہ دیکھتی، کہ جبر کے زیر سایہ رہنے کے لئے کتنے لوگ
تیار ہیں؟ اس مرحلے پر یہ واقعہ پورا منظر نامہ بدل دیتا ہے کہ خیمہ حسینؓ جہاں بھوک،
پیاس، بے کسی اور درماندگی نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں اور نوبت جان بچانے کے
شرعی فریضے تک پہنچی ہوئی تھی وہاں سے کوئی نکل کر باہر نہیں آیا، لیکن یزیدی لشکر کا
کمانڈر حر تمام پرکشش ترغیبات اور متوقع ترقیوں کو لات مار کر اور عتاب شاہی کا خطرہ

مول لے کر امام حسینؓ کی مسافرت، عسرت اور شہادت میں حصہ دار بنتا ہے، جس
وقت وہ کیمپ بدلنے کا ارادہ کرتا ہے ایک شمہ برابر موہوم خیال بھی نہیں کہ امام حسینؓ
کے ساتھ ملنے پر دنیا کا کوئی فائدہ ہو سکتا ہے، یعنی ایسا تو ہو سکتا ہے کہ لوگ فوری کی
بجائے ذرا دور رس فائدہ دیکھ کر وقتی طور پر غازیوں میں شامل ہو جاتے ہیں لیکن
میدان کربلا میں تو صرف اخلاقی اور اخروی فلاح کا داعیہ ہی کسی کو غالب گروہ سے
الگ کر کے بظاہر مغلوب اور معتوب گروہ میں شامل کر سکتا تھا۔

وہ جو ایک معیار ہے چڑھتے سورج کی پوجا کا، محفوظ کنارے کے ساتھ لگنے کا،
طاقتور کی ہاں میں ہاں ملانے کا اور فائدہ دیکھ کر وفاداری بدلنے کا یہ سب مادی معیار
فتح و شکست ہے جسے سانحہ کربلا پر منطبق کیا ہی نہیں جا سکتا، یہاں تو جذبہ ہی دوسرا
کارفرما ہے جسے اہل دنیا سمجھے ہیں نہ سمجھے گے۔

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

ثالثاً یزید اور اس کے عمال حکومت کا ایک بے بنیاد خیال یہ تھا کہ امام حسینؓ کی
شخصیت ہمارے راستے کا روڑا ہے اگر اسے ہٹا دیا جائے تو حکومت کرنا آسان ہو
جائے گا، یزید نے جبر اور لالچ کی بنیاد پر اپنی حکومت قائم تو کر رکھی تھی مگر اسے اس کے
اخلاقی اور شرعی جواز کا مسئلہ درپیش تھا وہ خود اسی کمپلکس کا شکار رہا، وہ سمجھتا تھا کہ حسینؓ
کے پاس کوئی لاؤ لشکر نہیں، دولت اور طاقت نہیں لیکن نواسہ رسول ہونے کی نسبت
بذات خود اتنی قوی اور طاقتور ہے کہ کسی بھی وقت وہ لوگوں کی نفرت کا ہدف بن سکتا ہے

، امام حسینؓ نے اگرچہ کوئی جتھہ بندی نہیں کی تھی مسلح لشکر تیار نہیں کیا تھا اور اس طرح کا بظاہر کوئی خوف یزید کو لاحق بھی نہیں تھا مگر وہ آپ کو سویا ہوا شیر سمجھتا تھا جو کسی وقت بھی کروٹ بدل سکتا ہے، سو اسی خوف اور خدشے نے اسے انتہائی اقدام پر مجبور کیا اس اقدام کو ہر جابر حکمران اپنی بہادر بنا کر پیش کرتا ہے جب کہ در حقیقت یہ اس کی بزدلی کا اظہار ہوتا ہے جب اس کی دلیل کی زبان گونگی ہو جاتی ہے تو وہ تلوار کی زبان چلانا شروع کر دیتا ہے، المختصر کربلا میں وہ سب کچھ ظہور پذیر ہو گیا جو یزید کو مطلوب تھا امام حسینؓ اور ان کے جان نثار رفقاء منظر سے ہٹ گئے مگر کیا یزید کو وہ کچھ بھی نصیب ہو گیا جو فی الاصل اس کا مدعا تھا؟ اس کا جواب تاریخ نفی میں دیتی ہے، وہ دن اور آج کا دن یزید کا طرز حکومت عامۃ المسلمین کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ شمار ہوتا ہے، اور کوئی ذی ہوش انسان اس کے طرز حکومت کو بحال کرنا چاہتا ہے اور نہ مثالی سمجھتا ہے، یزید کے اس اقدام کو کوئی دردمند انسان جائز سمجھتا ہے اور نہ مستحسن چودہ صدیوں میں حکومت بدل گئیں، حکمران خاندان بدل گئے، طرز ہائے حکومت بدل گئے، ملکوں کے جغرافیئے بدل گئے براعظموں کے نقشے بدل گئے، حتی کہ گردش دوراں نے بود و باش کے طور طریقے بدل ڈالے، لیکن مسلمانوں کی یہ سوچ سر مو نہیں بدلی کہ یزید ستمگر تھا جفا جو تھا، جابر تھا، نواسہ رسول کا قاتل تھا ناجائز حکمران تھا اور امور مسلمین کا ناجائز ولی تھا، یزید نے ایک ایسی بازی کھیلی کہ شکست اس کا مقدر بن گئی اور حسینؓ نے ایسی راہ اختیار کی جسے قدم قدم یادگار بنا ڈالا، نہ جانے کتنے قافلہ ہائے انقلاب اس راہ کے ہر ذرے کو اپنی تقدیر کا ستارہ سمجھتے رہیں گے۔

امام حسینؓ کے خون نے ایک ایسی لکیر کھینچ دی ہے اسلام کے مثالی نظام حکومت اور ملوکیت کے درمیان کے چودہ صدیاں بعد بھی امت کے اجتماعی ضمیر کے حلق سے ملوکانہ طرز حکومت نیچے نہیں اتر سکا، اگرچہ اس دوران بنو امیہ، بنو عباس، سلاطین عثمانی، غوری، مغل، غزنوی، لودھی بہت سے حکمران ہو کر گزرے ہیں، عامۃ المسلمین نے انہیں اپنا حکمران تو مانا ہے اور چپ بھی رہے ہیں مگر ان تمام حکومتوں کو کسی نے خلافت راشدہ کا نعم البدل یا اس کے ہم پلہ قرار نہیں دیا، آج بھی کسی دور دراز دیہات میں رہنے والا جب اسلامی حکومت کا تصور اپنے ذہن میں لاتا ہے تو وہ خلافت راشدہ کے مطابق ہوتا ہے۔ بنو امیہ، بنو عباس اور سلاطین ترکیہ اس کے کسی گوشہ دماغ میں نہیں سما پاتے، خون حسینؓ کا یہی سب سے بڑا فیض اور سانحہ کربلا کا سب سے بڑا عطیہ ہے کہ اس نے امت کو غلط فہمی سے بچا لیا ورنہ ہر دوسرا حکمران لبادہ اوڑھ کر خود کو خلفاء راشدین کی صف میں شامل کر لیتا اور لوگوں کے لئے حضرت حسنؓ سے پہلے اور ان کے بعد قائم ہونے والی حکومتوں کے اسلامی تشخص کے بارے میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا دوسرے لفظوں میں لوگوں کو معلوم نہ ہو پاتا کہ اسلامی حکومت کا سر چشمہ مسجد نبوی ہے یا شام کے شاہی محلات وقصور

یزید دراصل اسی فرق کو محو کرنا چاہتا تھا، جو اس بدنصیب سے خانوادہ رسول ﷺ کے صفحہ ہستی سے مٹانے کی بھرپور کوشش کے باوجود وہ فرق محو نہ ہو سکا بعد کے تمام ادوار ہمارے اس دعوے کی دلیل فراہم کرتے ہیں، یزید اتنی بڑی جسارت اور سفاکی کے باوجود تا قیام قیامت اپنی حکومت کے لئے اسلامی اور معیاری ہونے کی سند حاصل نہ کر سکا۔

یزید کی موت کے بعد اس کا بیٹا معاویہ بن یزید بر سر اقتدار آیا، اور بہت ہی
تھوڑے عرصے میں یہ کہہ کر تخت سے دستبردار ہوگیا کہ "مجھے اس سے خون حسینؓ کی بو
آتی ہے اور مجھے بے چین کردتی ہے" یہ مختصر سا تبصرہ کئی کتابوں پر بھاری ہے، لاکھوں
مربع میل پر محیط سلطنت سے دستبرداری کوئی معمولی واقعہ نہیں اور اقتدار بذات خود اتنی
معمولی چیز نہیں کہ جسے چھوڑ دیا جائے خواہ کسی دیہہ اور گاؤں کا اقتدار ہی کیوں نہ ہو؟
اسی اقتدار کی خاطر لوگ انبیاء کی تکذیب پر اتر آئے، نبی آخر الزمان سے برسر جنگ
ہوئے، یہی وہ اقتدار ہے جس کی خاطر سگے باپ نے بیٹے کو تہ تیغ کر دیا، اسی کے لئے
بھائی بھائیوں کو اندھے کنویں میں تا عمر لٹکا دیتا ہے، بیٹا باپ کی آنکھوں میں آگ سے
دہکتی سلائیاں پھیر دیتا ہے، اقتدار کے حصول کے لئے کیا کیا سودے انسان کو نہیں
کرنے پڑتے اپنی غیرت، ناموس، ضمیر اور ایمان کے سودے تب جا کر یہ نیلم پری
ہاتھ میں آتی ہے، وہ اقتدار ہی تو ہے جس کی خاطر لوگوں نے صلحائے امت کو کوڑے
مارنے کا حکم دیا، سر بازار رسوا کیا، انہیں کال کوٹھری میں دھکیل دیا، اسی اقتدار کے تحفظ
کے لئے بادشاہوں نے ہرے بھرے شہر اجاڑ دیئے، اور آبادیوں کو تہس نہس کر کے
رکھ دیا حتی کہ اسی تخت سلطنت نے یزید کو اتنا حواس باختہ اور اندھا کر دیا کہ اس نے
نواسہ رسول ﷺ تک ہاتھ اٹھانا گوارا کرلیا مگر اقتدار سے علیحدگی پر آمادہ نہ ہوا اسے
اسلامی خطوط پر لانے کو تیار نہ ہوا۔

معاویہ بن یزید جسمانی اور ذہنی طور پر بھی تندرست تھا یوں نہیں کہ فالج زدہ ہو
اور ڈیوٹی سے تنگ آگیا اور پاگل ہو کہ اسے اقتدار کی اہمیت معلوم نہ ہو تاریخ تو ایسے
لوگوں کا بھی ریکارڈ رکھتی ہے کہ مفلوج اور لاشے قسم کے لوگ بھی تا دم مرگ اقتدار

سے چمٹے رہے، اور پاگل اقتدار پر بیٹھتے ہی انا فانا ارسطو بن جاتے ہیں اور حواری اور
درباری انہیں فوراً ارسطو بلکہ اس سے بڑھ کر مان لیتے ہیں۔

ابن یزید کا اقدام ان ہزار منطقی اور سیاسی دلائل سے زیادہ ٹھوس اور واضح ہے
کہ یزید کی حکومت نہ جائز، آمرانہ، غیر اسلامی اور خلافت راشدہ کے برعکس تھی، ایک
اچھے مسلمان کی یہی نشانی ہے۔ کہ وہ اسلامی حکومت میں چوکیداری کا منصب بھی قبول
کرلیتا ہے اور غیر اسلامی ماحول میں بادشاہ بننا بھی پسند نہیں کرتا۔

کوئی دور پرے کا رشتہ دار، پوپڑپوتا، یا دوسرے خاندان کا فرد آکر یزید سے
اظہار برأت اور حکومت سے علیحدگی اختیار کرتا تو شاید اتنا واضح موقف نہ بنتا یہاں تو
یزید کا بیٹا اور اسی کا جانشین کسی دباؤ سازش اور بغاوت کے بغیر یزید کے ورثے پر تین
حرف بھیج کر ایک طرف ہو جاتا ہے، اس سے بڑھ کر یزید کی اخلاقی شکست اور امام
حسینؓ کی اخلاقی فتح کا اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے؟

اس سلسلے میں ایک اور دلیل بھی قابل غور ہے، بنو امیہ ہی سے تعلق رکھنے
والے حضرت عمر بن عبدالعزیز جب مسند خلافت پر فائز ہوتے ہیں، تو ان کا پہلے سے
لے کر آخری قدم جو بھی اٹھا وہ یزید کے طرز حکومت کے برعکس تھا اور ان کا ڈھائی سالہ
دور حکومت امت مسلمہ کی نظر میں خلافت راشدہ کا ضمیمہ قرار پاتا ہے، آخر کیا وجہ؟

اگر امام حسینؓ کی کشمکش نسلیت پر مبنی ہوتی اور بعض لوگوں کے خیال میں ان
کے پیروکاروں نے بھی ایک خاص نسل کو ہدف بنا کر پروپیگنڈہ کیا اور اس سارے
واقعے کو تقدس ماب بنا دیا، یہ سوچ کر اگر ذرا بھی مبنی بر حقیقت ہوتی تو امت بنو امیہ
کے ایک فرد کو اس طرح خلفائے راشدین کے صف میں شمار نہ کرتی یہ صرف منطقی

مغالطے اور فکری گمراہیاں ہیں جو بعض لوگوں کو ایسا سوچنے پر اکساتی ہیں، حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ راشد اس لئے قرار پائے کہ ان کے جملہ اقدامات اپنے تمام پیش روؤں کے برعکس خلفائے راشدین کی حکومتوں کے مطابق تھے۔ انہوں نے اپنے بارے میں کی گئی وصیت کو عوام کے سامنے پیش کیا، اقتدار سے دستبرداری کا اعلان کر کے لوگوں سے رائے طلب کی تاکہ کوئی دباؤ اور خوف محسوس نہ کرے اور جملہ سنبھالنے کے پہلے ہی دن جو فیصلے یزید اور اس کے بعد آنے والے حکمرانوں کے جملہ اقدامات کو غیر اسلامی اور ناجائز ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں، اور انہی فیصلوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو امت کی نگاہ میں عظیم القدر اور خلیفہ راشد کا درجہ دلایا آپ نے حکومت کے رنگ ڈھنگ کو اوپر سے نیچے تک مکمل طور پر بدل ڈالا اور عامۃ المسلمین پر واضح کر دیا کہ جو کچھ میرے پیش روؤں نے کیا وہ سراسر ظلم اور مبنی بر جبر تھا میں ان سے برات ظاہر کرتا ہوں اور اپنا سلسلہ حضرات خلفاء راشدین سے جوڑتا ہوں۔

امام حسینؓ بھی تو یزید کو یہی سمجھاتے رہے کہ تمہارا انداز حکومت خلافت راشدہ سے قطعی مختلف ہے ان کی اس بات سے یزید اور اس کے حواریوں نے اتفاق نہ کیا مگر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے آتے ہی انقلابی فیصلوں کے ذریعے حضرت حسینؓ کے موقف کی تائید بلکہ توثیق کر دی۔

یہ کایا کلپ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کا اپنے سابقین سے اظہار برات اور خلافت اسلام کی طرف رجوع واضح کہہ رہا ہے کہ یزید شکست کھا گیا اور حسینؓ ابدی فتح سے ہمکنار ہوئے۔

مادی سطح پر سوچنے والوں کی نگاہ بس یہیں آکر اٹک گئی کہ یزید تلوار کی جنگ

جیت گیا ہے انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ کس کا موقف صحیح رہا اور کس کے اصول سر بلند رہے؟ تلواروں کی جنگ جیتنے والے یہ نہیں سوچتے کہ تلواریں زنگ آلود بھی ہو سکتی ہیں ان کی دھار کند بھی ہو سکتی ہے اور تلواریں اٹھانے والے بازو ضعیف بھی ہو سکتے ہیں، مگر اصول کبھی زنگ آلود نہیں ہوتے، ان کی آب تاب کبھی نہیں مرتی، اور ان کے علمبردار کبھی ضعیف اور کمزوری کا مظاہرہ نہیں کرتے۔

اس ضمن میں اور بھی دلائل موجود ہیں لیکن صرف تین نکات کو بنیاد بنا کر گفتگو کی گئی ہے اور یہ تینوں نکات محض موضوعی نہیں بلکہ معروضی اور خارجی ہیں جنہیں دنیا کی کسی بھی میزان میں تولا جا سکتا ہے۔ یہ تینوں نکات واضح کر رہے ہیں کہ سانحہ کربلا کی روشنی میں امام حسینؓ کا ساتھ نہیں چھوڑا اور بعد میں آنے والوں نے جن کا تعلق خود یزید کے خاندان یعنی بنو امیہ سے تھا امام حسینؓ کے موقف کی تصدیق کی، جس سے یہ امر متحقق ہو گیا کہ حقیقی فتح سے امام حسینؓ ہمکنار ہوئے اور یزید حقیقی شکست سے دوچار ہوا کہ یہی فطرت کا تقاضا اور تاریخ کا تجربہ ہے۔

ایسے بھی اس جہان میں گزرے ہیں کچھ شہید
مقتول تا ابد رہا قاتل نہیں رہا

آزادی وانقلاب کے امام

یوں تو تاریخ کے پردے پر بے شمار شخصیتیں ابھریں اور ایک وقت میں تو اپنی شخصیت کی گھن گرج سے انہوں نے پوری دنیا کو لرزہ براندام کر دیا، بعض وہ تھیں جو مسند علم کی وارث ٹھہریں، کچھ طبیعات اور سائنس کی امام بنیں، ایسی بھی جو اخلاق و تصوف کے حوالے سے دنیا کے مرشد قرار پائیں۔ لیکن ان میں سے بہت سی تاریخ کے دھارے کے ساتھ بہہ گئیں۔ کچھ کو زمانے کی کروٹیں نگل گئیں۔ بعض حوادث روز گار کی نذر ہو گئیں۔ کئی ایک عالمی تبدیلیوں کی ہوا میں تحلیل ہو گئیں۔ چند نصابی کتابوں کی زینت بنی اور اکثر یاد ماضی کا حوالہ داستان پارینہ اور دلچسپ قصہ بن گئیں، اگرچہ ایک بڑی تعداد ایسے رجال کار کی ہے جنہوں نے تاریخ سمت وقت، سوچ، ذہن اور جذبات کو پوری طرح اپنے قبضے میں لے کر خود کو مقام امر پر فائز کر لیا انہیں میں ایک روشن نام جناب حسینؓ کا ہے، چودہ صدیاں بیت گئیں مگر آپ کا نمایاں نام اور تاریخی کام بجائے گہنانے کے اور نکھرتا چلا جا رہا ہے اور وقت کی رفتار بتاتی ہے کہ مستقبل میں مزید نکھرے گا۔

انسان کو بیدار تو ہو لینے دو!!!
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؓ

جناب حسینؓ اب ایک فرد بشر ایک آدم زاد ایک خاندان کے روشن چراغ ایک دور کی بہتر شخصیت ہی نہیں بلکہ گردش زمانہ اب انہیں اس مقام پر لے آئی ہے کہ ان کا نام جذبہ حریت اور ان کی شخصیت بذات خود تحریک اور انقلاب بن گئی ہے، ریگ گرم پر بہنے والے ان کے خون کے چھینٹے کاروان شوق کے لئے نقوش منزل قرار پائے ہیں

اور ان کا مقتل سجدہ گاہ عاشقان کا مرتبہ اختیار کر گیا ہے اور ان کی باتیں فلسفہ انقلاب کا درجہ پا چکی ہیں ہمارے ہاں کے روایت پرستانہ مزاج اور شعبدہ پسند رجحان نے ان تاریخی شخصیتوں کو محض گرمئی تقریر، فن خطابت، مجادلہ ومناظرہ اور فرقہ وارانہ حجتوں کی نذر کر دیا ہے ورنہ ہماری تاریخ جہد وعمل، علم وفضل، عظیم شخصیتوں، نامور ہستیوں اور نادر روزگار افراد کے اعتبار سے جلتی مالدار، روشن، نامدار اور وقیع ہے، اتنی کسی اور مذہب فلسفہ اور تہذیب کی تاریخ قابل رشک نہیں۔

ذرا ایک نظر ڈالئے حکمرانوں میں خلفاء راشدین مجاہدہ وفقر میں خانوادہ اہل بیت، ایثار و وفا میں حضرات صحابہ تفقہ وتدبر میں آئمہ اربعہ روایت میں محدثین فلسفہ و حکمت میں امام غزالی، رازی، بوعلی، ابن رشد، فارابی، البیرونی، اور کندی، زہد و تصوف میں شیخ جیلان، بایزید بسطامی، فضیل بن عیاض، فاتحین میں محمد بن قاسمؒ صلاح الدین ایوبی، اور نور الدین زنگی، مصنفین میں ابن تیمیہ اور ابن القیم شعراء ادباء میں مولانا رومؒ شیخ سعدی، عمر خیام حافظ شیرازی، حکمت دین کے حوالے سے ابن حزم اور شاہ ولی اللہ ایسے نام محض نمایاں افراد نہیں بلکہ یہ گرامی قدر شخصیات ایک پوری تاریخ، بھرپور تہذیب اور کامل فلسفہ ہیں، اتنا عظیم سرمایہ رکھنے والی قوم اب بھی فتوؤں، مناظروں شعبدوں، حکایتوں اور افسانوں میں گھری ہوئی ہے، سچ ہے جب مذہب گورکھ دھندا، تاریخ وتحقیق روایت، حقیقت افسانہ اور علم فرقہ واریت کی بھینٹ چڑھ جائے تو جلیل القدر شخصیتوں کے ساتھ ایسی ہی بے انصافی ہوتی ہے موجودہ معاشرے میں امام حسین کے کام کو اتنی توجہ نہیں مل رہی جتنی ان کے نام پر فرقہ بندی کو مل رہی ہے حالانکہ عظیم شخصیتیں کسی فرقے کا حوالہ نہیں بلکہ پوری قوم کا مقدس ورثہ ہوتی ہے۔ انہیں مختلف خانوں میں رکھ کر نہیں دیکھا جاتا بلکہ انہیں اپنے عمل واخلاق کا

پیمانہ بنایا جانا چاہیے "یوم عاشورہ" اور واقعہ کربلا ایک دن اور ایک حادثہ نہیں بلکہ ایک بھر پور تاریخ اور حیات آفرین جذبہ ہے جسے محض فضائل و مصائب میں الجھا دیا گیا ہے۔

جناب امام حسینؓ نے اپنے دور میں سیاست کو فرعونی، معیشت کو قارونی اور معاشرت کو یزیدی بنتے دیکھا تو آپؓ نے پوری قوت اور جرات کے صدائے احتجاج اور نوائے انقلاب کی کہ خدا کی اس دھرتی پر خلافت و امارت کے نام پر شخصی آمریت کا تسلط نا قابل برداشت ہے وہ حکومت میں احتساب معاشرت میں اخلاق اور معیشت میں انصاف کے علمبردار تھے کیونکہ ان کے نزدیک سیاست محمدی منافقت سے پاک، معیشت محمدی ﷺ استحصال سے منزہ اور معاشرت محمدی ﷺ لا قانونیت سے مبرا تھی۔ وہ حکم حاکم نہیں حکم خدا اور رسول اللہ ﷺ کے قائل تھے ان کا عقیدہ تھا کہ خدا کی زمین پر خدا کے سب سے پیارے بندے حضور محمد ﷺ کی شریعت کے ذریعے خدائی احکام کی پیروی کرنے والے لوگوں کی حکومت ہونی چاہیے نہ کہ جاہلی جذبوں کے ساتھ قومی حکومت قائم کر کے شخصی اطاعت کو رائج کیا جائے۔ یہی وہ جذبہ حریت اور نظریہ انقلاب تھا جو جناب امامؑ کو مدینہ منورہ کے پرسکون ماحول اور مسجد نبوی کی پرنور فضاؤں اور روضہ رسول اللہ ﷺ کی پرکیف قربتوں سے نکال کر لق و دق اور بے آب و گیاہ وادی کی طرف کشاں کشاں لے آیا اور زندگی بھر کی پونجی چٹیل میدان کی نذر کر دی ہے۔

آج تک دنیا کے باطل نظاموں کے ترجمان اس دستور کو رائج کرنے اور اس فلسفے کو منوانے پر تلے ہوئے ہیں کہ طاقت ہی حق ہے مگر جناب امام حسینؓ نے اس روش کے خلاف چلتے ہوئے نعرہ انقلاب بلند کیا کہ طاقت نہیں دراصل حق طاقت ہے اور دنیا نے دیکھ لیا کہ تلواروں کی جنگ جیتنے والے مقدر کی بازی ہار گئے اور بنجر زمین پر گھر کا گھر لٹانے والے انسانیت و حریت کی آبرو بن گئے۔

مدینہ منورہ کا قیام، مسجد نبوی کی امامت، روضہ رسول ﷺ کی مجاورت اور روحانی سیادت کوئی غیر معمولی اعزاز نہ تھا جس سے جناب امام حسینؓ دستبردار ہو گئے بلکہ یہ سب کچھ اس بات کا حتمی اور بڑا ثبوت ہے کہ یہ ایک عظیم اور تاریخی مشن تھا جس کی تکمیل کے لئے یہ صدمے گوارا کرنے لازم تھے ورنہ کون گوشہ عافیت کو چھوڑ کر میدان رزم کا رخ کرتا ہے اور کون روح پرور فضاؤں کو ترک کر کے لو کے تھپیڑے سہتا ہے۔ ہمارے مذہبی حلقوں نے واقعہ کربلا کی جزئیات تک کو تو نگاہ میں رکھا، مجالس مصائب پر تو توجہ دی مگر امام پاکؓ کی انقلابی روح اپنے اندر جذب نہیں کی۔

ہو کا عالم ہو، جبر کا دور دورہ ہو ہوس زر نے لوگوں کو مصلحت کیش بنا رکھا ہو، آمریت نے رعایا کو بے دست و پا کر دیا ہو، جاہ طلبی زندگی کا مشن اور قربت اقتدار معاشرے کا مجموعی مزاج بن چکا ہو، ایسے میں جناب امامؑ کا نعرہ قلندرانہ بلند کرنا اور کاخ و ایوان حکومت سے ٹکرانا آپؓ کے تاریخی کردار کی بلند مرتبہ مثال ہے۔ جناب امامؑ کے کردار کی اس تاریخ عظمت کے حوالے سے جب ہم اپنے معاشرے کا مجموعی چلن دیکھتے ہیں اور بالخصوص مذہبی گروہ بندی پر نظر ڈالتے ہیں تو اپنی کج فہمی پر ندامت ہوتی ہے۔

امام حسینؓ نے اپنے بے مثال مجاہدانہ کردار کے ذریعے دنیائے جبر میں ہر خطہ زمین کو کربلا اور ہر دن کو یوم عاشورہ بنا دیا۔ اب قیامت تک دو کردار ایک دوسرے کے آمنے سامنے رہیں گے ایک کردار یزیدی ہوگا جو جبر کی نمائندگی کرتا ہے اور دوسرا کردار حسینیؓ کا ہوگا جو صبر اور ایثار کی مثال بنا رہے گا، ظاہر ہے اب ہر مسلمان خواہ وہ کسی مسلک کا ہو اپنے لئے حسینیؓ کردار کا انتخاب کرے گا، یعنی جبر کے مقابلہ میں صبر، جفا کے مقابلے میں وفا، استکبار کے مقابلہ میں ایثار، طاقت کے مقابلہ میں استقامت اور مطلق العنانی کے مقابلہ میں جرات ایمانی کا مظاہرہ اور یہی اسوہ حسین اور درس کربلا ہے۔

حضرت امام حسینؓ............ایک منفرد شخصیت

دنیا میں کسی شخص کے لئے عزت واحترام کے نقطہ نظر سے یہ حوالہ بہت اہمیت رکھتا ہے کہ وہ کسی نامور روحانی اور دینی خانوادے کا فرد ہو، کسی اونچے معاشرتی خاندان کا سپوت ہو، کسی مسلمہ علمی شخصیت کا عزیز ہو، کسی بڑے سیاسی گھرانے کا نور چشم ہو اور کسی ممتاز اور مشہور ادیب اور خطیب کا جگر گوشہ ہو۔ اس طرح کی کوئی بھی نسبت اس شخص کے لئے عزت ووقار کی دائمی سند کا درجہ رکھتی ہے۔ دنیا بھر میں اس طرح کا کوئی بھی حوالہ لائق توجہ سمجھا جاتا ہے۔ کم از کم ایک دو نسلیں تو اس احساس سے معمور رہتی ہیں اور کوئی بھی انہیں اس اعزاز واستحقاق سے محروم نہیں کرسکتا۔

بایں ہمہ اگر وہ شخص ان حوالوں کے ساتھ ساتھ اگر خود بھی کوئی روحانی، سیاسی، معاشرتی، علمی اور ادبی حیثیت کا حامل ہو تو یہ سونے پر سہاگے والی بات ہے۔ اور اس کو "قران السعدین" بھی کہا جاتا ہے۔

اس پس منظر میں جب ہم حضرت امام حسین کی تاریخی بلکہ صحیح تر لفظوں میں تاریخ ساز شخصیت کا جائزہ لیتے ہیں تو ایک خوشگوار حیرت ہوتی ہے کہ امام حسینؓ اپنی دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت میں بھی انفرادی شان کے حامل نظر آتے ہیں۔

کوئی شخص اندازہ کرسکتا ہے کیا کیا نسبتیں اور کیسی کیسی عظمتیں حضرت امام حسینؓ کے حصے میں آئیں، وہ کس کے نواسے، کس کے نور نظر کس کے لخت جگر اور کس کے بھائی ہیں؟ ایک ایک نسبت کی بزرگی اور رفعت کو دیکھنے کے لئے کوہ ہمالیہ جیسا قد کاٹھ چاہیے، اس کے بعد بھی ٹوپی گرنے کا احتمال بلکہ یقین ہے۔

امام حسینؓ کو سید عالم پیغمبر آخر واعظم ﷺ کا نواسہ ہونے کا لازوال شرف

حاصل ہے۔ حسینؓ کا نانا ﷺ وہ جس کے نام سے نبض ہستی تپش آمادہ اور خیمہ افلاک ایستادہ ہے۔ جس کی نسبت معراج انسانیت ہے جس کی ذات سے اعتبار کائنات ہے۔ جس کا وجود برہان الٰہی ہے، جس کی ہستی آیۂ ربانی ہے، جس کا قول حدیث اور جس کا عمل سنت ہے، جس کی خلوت خود آگاہی اور جلوت خدا آگاہی کا مرقع تھی، جس کی بشریت آبروئے آدمیت اور جس کی نبوت رہبر انسانیت ہے جس کے نور سے شبستان عالم چمک اور جس کے رنگ وبو سے چمنستان دہر مہک رہا ہے، جس کی خاکِ راہ سرمہ چشم بصیرت اور جس کا نقش کف پا جادہ طریقت ومعرفت ہے، جس کا خیال الہام اور جس کا نطق وحی ہے، وہی سید عالم ﷺ حسینؓ کے نانا ہیں۔ جن کے قدموں کی آہٹ سن کر کوئی خضر بنا اور جن کے در کی بھیک پاکر کوئی سکندر کہلایا۔

حسینؓ کا بابا کون؟ علیؓ جس کی پیشانی سجدہ غیر اللہ سے کبھی آلودہ نہیں ہوئی، جس کی ایک ایک سانس میں خوشبوئے نبی ﷺ بسی رہی، جس کو " باب العلم" کا لافانی خطاب حاصل ہے، جو ہر میدان جنگ میں "حیدر کرار" کہلایا جس کی سیاست پر عبادت کا رنگ غالب رہا، جس کی روحانیت ہر سلسلہ تصوف کا سرچشمہ ٹھہری، جس کو کعبے میں ولادت اور مسجد میں شہادت نصیب ہوئی۔

حسینؓ نے کس کی آغوش میں جنم لیا؟ خاتون جنتؓ کی آغوش میں جس کی آغوش کا تقدس عرش کے تقدس سے کسی صورت کم نہیں۔ جس کی چادر کا گوشہ سایہ جنت ہے، جس کے گھر کی چاردیواری کا جبریل علیہ السلام نے کئی بار طواف کیا، جس کے وجود کو زبان نبوت نے "گوشہ دل" اور "لخت جگر" کہا جس کی عفت دلیل عصمت ہے جس کو قرآن نے چادر تطہیر اوڑھائی جس کا نام لینے کے لئے زبان کو کئی بار مشک و گلاب سے وضو کرنا پڑتا ہے جس کی ناخوشی کا کبھی رسول ﷺ بھی متحمل نہیں رہا۔ جس

کے گھر میں احتراماً سورج کی شعاع نے کبھی جھانک کر نہیں دیکھا، حسین بھائی کس کے ہیں؟ اس پانچویں خلیفہ راشد کے بھائی ہیں، جنہوں نے اپنی حکومت پر وحدت امت کو ترجیح دی جس کے ایثار نے ملت کا وقار بڑھایا، جس کی طبع صلح پسند نے قوم ہاشمی کو شیرازہ بند رکھا، ورنہ خلافت بھی دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی اور امت قیامت تک کے لئے احیائے خلافت کا خوبصورت خواب دیکھنے سے بھی محروم ہو جاتی۔

امام حسینؓ کا اصل کمال اور انفرادیت یہ ہے کہ وہ اتنی عظیم نسبتوں اور شاندار حوالوں سے جڑے ہوئے ہیں لیکن اس طرح کے حوالے جہاں کسی کو بھی بہت اونچا مقام دیتے ہیں وہاں اس کا نام گم ہو جانے کا مسئلہ بھی پیدا کر دیتے ہیں۔ امام حسینؓ ان حوالوں سے ایک مقدس اور محترم پہچان کے حامل تو ہیں ہی اس کے ساتھ ساتھ تاریخ میں ان کا اپنا ایک مستقل مقام اور معزز نام بھی موجود ہے۔

عظمت و حرمت کے کہکشاں میں ممکن ہوتا ہے کہ ایک آدھ ستارہ دب جائے اور رنگ و نکہت سے معمور گلستان میں اندیشہ ہوتا ہے کہ کچھ پھول اپنی بہار نہ دکھلا سکیں، مگر اس کہکشاں میں ہر ستارہ روشن اور اس گلزار میں ہر پھول پر بہار نظر آتا ہے۔

بڑے باپ کا بیٹا ہونا، عظیم ماں کا فرزند ہونا، جلیل القدر خانوادے کا فرد ہونا ، پرشکوہ گھرانے کا چشم و چراغ ہونا باعث سعادت تو ہے ہی مگر کسی امتحان اور آزمائش سے بھی کم نہیں ہوتا وہ یوں کہ بڑے باپ کی عظمت کی لاج رکھنا عظیم ماں کی آغوش کا حق ادا کرنا، خاندان کی قدر و جلالت کا پاس و لحاظ اور گھرانے کی شان و شوکت کا تحفظ کرنا کوئی معمولی آزمائش نہیں۔ اور ساتھ ہی الگ سے اپنی شناخت بنانا کارے دارد!

امام حسینؓ کو تو یہ خراج محبت و عقیدت تا حشر ملتا رہے گا کہ خانوادہ رسالت کے چشم و چراغ ہیں۔ مگر خاندان نبوت بھی اس پر ہمیشہ فخر کرتا رہے گا کہ حسینؓ اس کا ایک

فرد ہے، جس کے نام سے تحریک اٹھی اور جس کی ذات سے ایک نئی تاریخ مرتب ہوئی، پیغمبر ﷺ کے لبوں نے کئی بار حسینؓ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور حسینؓ نے یہی ماتھا خاک و خون میں غلطاں ہونے دیا مگر خود باطل کی چوکھٹ پر سجدہ کناں نہیں ہوئے۔

جناب علیؓ نے اپنے لخت جگر کو ہزار بار اپنے سینے سے چمٹایا اور فرزند عزیز نے بھی میدان میں پیٹھ نہیں دکھائی اپنے سینے پر تیر کھایا، سیدہ فاطمہؓ نے امام حسینؓ کو اپنی آغوش میں پالا۔ حسینؓ نے اپنے گود پالے دین حق کے لئے وادی نینوا میں قربان کر ڈالے، امام حسنؓ اور امام حسینؓ دونوں بھائی دوش نبی ﷺ پر کھیلے اور جب موقع آیا تو دونوں ناموس دین نبی ﷺ کی خاطر جان پر کھیل گئے۔ بنی نوع انسان رہتی دنیا تک حضور ﷺ کو محسن انسانیت، جناب علیؓ کو برہان فتح و نصرت، سیدہ فاطمہؓ کو پیکر عفت، حضرت حسنؓ کو اتحاد امت کی علامت اور سیدنا حسینؓ کو امام عزیمت کے طور پر یاد رکھے گی۔

امام حسینؓ نے یزید کے مقابلے میں استقامت دکھا کر اور میدان کربلا میں داد شجاعت دے کر نہ صرف اپنے عہد میں غرور ملوکیت توڑا، بلکہ پوری تاریخ کا رخ موڑ دیا، سانحہ کربلا کے بعد اگرچہ موروثی حکومتیں قائم رہیں۔ لیکن کسی بھی دور میں انہیں جواز مل سکا اور نہ تقدس نصیب ہو سکا، بڑے بڑوں نے زور لگایا کہ انہیں دل سے "امیر المومنین" تسلیم کیا جائے مگر سب کے دل کی دل میں رہ گئیں، کسی دوسرے کے دل میں نہ اتر سکے، انہوں نے اپنے نام کے خطبے پڑھوالئے خود کو "ظل الہ" کہلوایا ، سکوں پر اپنا نام کندہ کروالیا "امیر المومنین" کی مہریں بنوائیں، منبر و محراب پر قبضہ جما لیا، مگر کسی کے دل و دماغ میں اپنا وقار و اعتبار قائم نہ کر سکے، 60ھ کے بعد دنیا بھر میں بالعموم اور عالم اسلام میں بالخصوص تحریکوں کا لاوا پھوٹ پڑا، اور آج تک یہ آتش فشاں

زوروں پر ہے، کہیں نفس ذکیہ نظر آتے ہیں، کہیں امام مالکؒ جعفر کو للکارتے ہیں کبھی امام اعظمؒ منصور کو لتاڑتے ہیں، کبھی احمد بن حنبلؒ معتصم کو مشکل میں ڈالتے ہیں، ان سب قالبوں میں روح حسینؑ رواں دواں تھی۔

کسی دور میں ملوکیت کے خلاف تحریک چلی، کسی عہد میں بنیادی حقوق کے لئے لہر اٹھی، کبھی معاشی انصاف کا نعرہ بلند ہوا اور کبھی حق خود ارادیت کا شور برپا ہوا۔

یہ ملوکیت کے خلاف نفرت کا جذبہ شہادت حسینؑ کا ثمرہ ہے، یہ بنیادی حقوق کا شہرہ خون حسینؑ کا معجزہ ہے، یہ معاشی انصاف کا نعرہ تحریک حسینیؑ کا صدقہ ہے اور یہ حق خود ارادیت کا چرچا قافلہ سالار کربلاؑ کا کرشمہ ہے۔

جس طرح پھول کی تروتازگی، طراوت اور شادابی اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ اس کے باریک ریشوں میں پانی کی نمی کارفرما ہے یہ نمی نہ رہے تو پھول مرجھا جاتا ہے اسی طرح دنیا میں جاری جہادی تحریکیں اس امر کا پتہ دیتی ہیں کہ ان کی رگوں میں روح حسینؑ کارفرما ہے جبھی تو تحریکیں زندہ ہیں بلکہ نشو ونما پا رہی ہے ان تحریکوں نے اگر روح حسینؑ سے اپنا ناتا توڑا، اور کسب فیض کرنا چھوڑا تو پھر یہ تحریکیں سوکھے ہوئے پھول کی طرح صرف کتابوں میں نظر آئیں نہ ان کی تازگی رہے گی اور نہ توانائی نہ زندگی رہے گی اور نہ شادابی، جس طرح پھول کی شگفتگی پانی کے قطرے کی محتاج ہے۔

اسی طرح ہر اسلامی انقلابی تحریک امام حسینؑ کے جذبے کی محتاج ہے یہ بات سمجھ لینے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ امام حسینؑ عظمتوں کے ہجوم میں گھرے ہوئے ہونے کے باوجود تاریخ میں اپنا منفرد مقام حاصل کرنے میں کیوں کر کامیاب ہوئے؟

اتحاد بین المسلمین اور عاشورہ محرم

برسوں سے وطن عزیز میں ایک رجحان چلا آرہا ہے اور ہر بار یہ رجحان پختہ تر ہو رہا ہے کہ جونہی محرم الحرام کی آمد ہوتی ہے تو ایک غیر معمولی اور ہنگامی نوعیت کی صورتحال پیدا ہو جاتی ہے۔

جس طرح بجٹ کی آمد سے قبل اشیاء کی قلت، ذخیرہ اندوزی اور مہنگائی کے امراض قوم کو لاحق ہو جاتے ہیں اسی طرح محرم کے آغاز میں مذہبی فضا میں تناؤ اور کھچاؤ سا آجاتا ہے، حکومت کی طرف سے بعض علماء کی زبان بندی، بعض علماء پر دوسرے علاقوں میں جانے کی ممانعت، دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ، اور انتظامیہ کو الرٹ کر دینے کے احکام جاری کر دیئے جاتے ہیں۔

امن کمیٹیاں بننی شروع ہو جاتی ہیں، ان کے اجلاسوں کا سلسلہ چل نکلتا ہے، اور سنی شیعہ فرقوں کے درمیان دھمکی آمیز بیانات کی یلغار ہو جاتی ہے، یہ رجحان کم از کم ایک سادہ اور عام مسلمان کے لئے ناقابل فہم اور انتہائی تعجب انگیز ہے۔

یوں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی سیلاب یا طوفان آرہا ہے جس کی پیش بندی کے یہ سارے سامان ہو رہے ہے، اگر بند نہ باندھے گئے، پشتے مضبوط نہ کئے گئے، کٹاؤ کے انتظامات نہ کئے گئے، اور بہاؤ کے رخ متعین نہ کئے گئے تو خدانخواستہ بڑی تباہی مچ سکتی ہے۔

آخر آغاز محرم میں ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس کی سادہ سی وجہ فرقہ واریت ہے جس کے زہر نے ذہنوں کو آلودہ اور جس کی نفرت نے دلوں کو کبیدہ کر رکھا ہے، اور وہ ایام اور مواقع جو کسی قوم کے لئے ذریعہ اتحاد، سرمایہ افتخار، اور طرہ امتیاز ہوتے ہیں الٹا موجب افتراق، باعث فساد اور وجہ نزاع بن جاتے ہیں۔

حالانکہ کوئی بادنیٰ تعمق دیکھے تو عاشورہ محرم تاریخ اسلام کا ایک دردناک باب ہے اور غم آگیں ورق! دنیا کا دستور ہے کہ غم اور دکھ کے موقع پر برادریوں میں اختلاف ہو بھی تو وقتی طور پر ختم ہو جاتا ہے اور ہر فرد دکھ درد میں شریک ہوتا ہے مگر ہمارے یہاں اس لمحہ الم میں پہلے بھی زیادہ اختلاف رونما ہو جاتا ہے اور دلوں کی دوریاں اور بڑھ جاتی ہیں، اس ناخوشگوار کیفیت کے یوں تو بہت سے اسباب ہیں جن کا گہرا علمی اور تاریخی تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے تاہم بادی النظر کچھ یوں وجوہ اور اس نفرت کو ختم کرنے کے مندرجہ ذیل طریقے ہیں۔

۱۔ ہمارے فرقہ وارانہ ذوق نے ہماری ملی اور تاریخی شخصیات کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور ہم ان شخصیات کے آفاقی کردار کو اپنے گروہی دائرے میں بند کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس کے نتیجے میں ہمارے درمیان ان شخصیات کے حوالے سے ایک طرح کی کشمکش ابھر آتی ہے، انہی میں ایک مظلوم ہستی حضرت امام حسینؓ کی ہے حالانکہ سانحہ کربلا محض ایک واقعہ نہیں تاریخ کا مستقل اور مسلسل کردار ہے جب تک نوع انسانی کے درمیان حق اور باطل، خیر و شر، ظالم اور مظلوم کی آویزش رہے گی سانحہ کربلا اور حضرت امامؓ ایک قوی علامت کے طور پر انسانیت کو حق اور خیر کے لئے ظلم کے خلاف جدوجہد کا درس دیتے رہیں گے۔ مگر بدقسمتی سے ہم نے اس واقعے کو سنی، شیعہ کی بھینٹ چڑھا دیا ہے سب سے پہلے اس سوچ کو بدلنے کی ضرورت ہے، تب مفاہمت کی فضا پیدا ہوگی۔

۲۔ ایک الجھن یہ بھی ہے کہ ہم غم حسینؓ کا اظہار کم کرتے اور اسے اپنے مسلک کا شعار زیادہ بناتے ہیں، چنانچہ اس ذہنیت کے نتیجے میں اس دوران تصادم کے کئی مرحلے آجاتے ہیں، پھر مسئلہ کربلا کا نہیں رہتا اپنے دھڑے کی بقا اور انا کا ہو جاتا ہے، ظاہر ہے جہاں ان کا ٹکراؤ ہوگا وہاں سے خیر اور محبت کیسے برآمد ہوگی؟

۳۔ اس سلسلے میں ایک اور سبب بھی قابل توجہ ہے کہ ہم بظاہر امام حسینؓ کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے جلسہ اور جلوس کا اہتمام کرتے ہیں مگر دراصل بلاتے ان لوگوں کو ہیں جن کی اپنی بقاء اور گزراں اسوہ حسینیؓ سے وابستہ نہیں بلکہ امامؓ کے نام پر تفرقے سے منسلک ہوتی ہے پیشہ ور ذاکر اور فرقہ پرست واعظ حضرت امامؓ کی شخصیت اور قربانی کو اس طرح پیش کرتے ہیں گویا انہوں نے یہ سب کچھ اسلام کی بالادستی اور وحدت ملی کو قائم رکھنے کے لئے نہیں کیا بلکہ کسی ایک گروہ کی سربلندی اور حقانیت کو ثابت کرنے کے لئے قربانی دی، حالانکہ امامؓ کا یہ جہاد کسی فقہی، فروعی اور جزئی مسئلے کے لئے نہیں تھا بلکہ انہوں نے اپنے خون سے خلافت راشدہ اور ملوکیت کے درمیان حد فاصل کھینچ دی، اگر ایسا نہ ہوتا تو امت کے لئے یہ جاننا مشکل ہو جاتا کہ اسلام کا اصل سر چشمہ مسجد نبویؐ ہے یا شام کے محلات! شہادت حسینؓ کا یہ سب سے بڑا احسان ہے کہ اس نے امت کو فکری یکسوئی عطا کر کے ذہنی انتشار سے بچا لیا، چنانچہ آج تک حکمرانوں نے عوام کو بے شمار دھوکے دیئے اور لوگوں نے دھوکے کھائے مگر اسلام کی مثالی نظام پر دو آراء نہیں ہیں اور کوئی حکمران اپنی ملوکیت، موروثیت اور آمریت کو خلافت راشدہ کا متبادل نہ تو ثابت کر سکا اور نہ عوام سے منوا سکا، گویا عاشورہ محرم امت کی وحدت رائے کو قائم کرنے کا بہت بڑا ذریعہ بنا، مگر ہماری گروہی عصبیت نے اس کی قدر نہ جانی۔

۴۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنی بداعمالیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے بہت بڑی ناروا جسارت کرتے ہوئے اصحاب نبی ﷺ اور اہل بیت رسول ﷺ کو ایک دوسرے کا حریف بنا دیا ہے، حالانکہ یہ حریف نہیں ایک دوسرے کے جگری حلیف ہیں، آل رسول ﷺ سے اظہار عقیدت کا مطلب اصحاب نبیؐ سے گریز نہیں ہے اور اصحاب نبی کا احترام آل نبیؐ کے احترام کے منافی نہیں، لیکن ہر چیز کے اظہار کا ایک

موقع ہوتا ہے اور کسی چیز کو اس کے اصل محل اور موقع سے ہٹا دینے کو عربی میں ظلم کہتے ہیں اور ہم برابر اس ظلم کے مرتکب ہوتے ہیں، جس قوم کے ہاتھ میں میزان عدل نہ رہے قدرت اس قوم کی معاشرت کو اعتدال سے محروم کر دیتی ہے اور اس محرومی نے ہمیں ایک دوسرے کی بات سننے اور جذبات سمجھنے کے قابل نہیں چھوڑا۔

۵۔ آخر میں بنیادی سبب کا بھی تذکرہ ہو جائے کہ مختلف مسلک اور مشرب اسلام کی منشاء کو بہتر انداز میں سمجھنے کے لئے وجود میں آئے مگر ہم نے ان مسالک اور مکاتب کو ذریعہ نہیں اصل سمجھ لیا ہے اور درمیان سے اسلام کا جوہری رشتہ کمزور پڑ گیا ہے، گروہی شناخت نے اسلام کے آفاقی تعارف پر غلبہ پالیا ہے، اور ہم نے اس غلطی کو ماننے کی بجائے بڑی شخصیات کی آڑ میں اور بھاری بھرکم اصطلاحوں کے پردے میں اور مقدس ناموں کے دامن میں چھپا کر اس کو غلطی نہیں رہنے دیا بلکہ اسے عین اسلام اور حق سمجھ لیا ہے جس کے منفی اثرات وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گہرے اور رہزناک ہوتے جا رہے ہیں۔ قومیتی، لسانی، صوبائی اور علاقائی عصبتوں کے ساتھ مذہبی منافرت نے ہمارا ملی وجود خطرے میں ڈال دیا ہے اس کے لئے ہمیں اپنے طرز عمل پر از سر نو غور کرنا پڑے گا۔

عاشورہ محرم ایسے ایام در حقیقت ہمیں غور کرنے کی دعوت دیتے ہیں کہ اصول اور فروع کے درمیان فرق کیا جائے، دین اور فرقوں کی صحیح نوعیت سمجھی جائے ملی مفاد اور گروہی مفاد کے تقدم اور تاخر کا ادراک حاصل کیا جائے، اہم اور غیر اہم باتوں کے درمیان حد قائم کی جائے اور ہر مسئلے کو اس کے صحیح تناظر میں رکھ کر فیصلہ کرنے اور رویہ اپنانے کی شعوری کوشش کی جائے۔

یہ وہ مختصر باتیں ہیں اگر دل و دماغ انہیں قبول کر لیں تو محرم الحرام نہ صرف امن کے ساتھ گزر سکتا ہے بلکہ امت کے لئے امن کی بنیاد بن سکتا ہے۔

مصنف کی دیگر قابل مطالعہ کتب

- قلم برداشتہ (کالموں کا مجموعہ)
- خون جگر ہونے تک
- روح تصوف
- فکر امروز
- رشک زمانہ لوگ
- فکر اسلامی
- اسلوب سیاست
- روح انقلاب
- تاریخ کی مراد
- وحدت ملی

ملنے کا پتہ
مکتبہ جمال کرم
9. مرکز الاویس، دربار مارکیٹ لاہور
Ph: 042-7324948
Mob: 0300-4205906